سیرت و سوانح

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ

(۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ)

عبدالرشید عراقی

(گزشتہ سے پیوستہ)

ذاتی اوصاف و اخلاق و عادات

امام ابن تیمیہ کی زندگی اسوۂ رسول ﷺ کا ایک روشن نمونہ تھی۔ وہ اپنے ہر فعل اور ہر عمل میں کتاب و سنت ہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ شب و روز عبادات اور ذکرو اذکار میں مشغول رہتے۔ تلاوت قرآن مجید سے بہت شغف تھا۔ مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے اور بچپن سے ہی اس کا ذوق تھا۔ خطیب بہت اچھے تھے۔ حق گوئی و بیباکی کا وصف ممتاز تھا اور "اَفضلُ الجهادِ کلمةُ الحقِ عند سلطانٍ جائرٍ" پر پورا عمل کرتے تھے۔ امام ابن تیمیہ صاحب علم و قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بہت منکسر المزاج' زہد و اتقاء میں بہت بلند' ایثار و سخاوت میں بہت آگے تھے۔ عفو' درگزر' تواضع' فروتنی و استغناء میں اپنی مثال آپ تھے۔ (امام ابن تیمیہ' محمد یوسف کوکن عمری)

ابن تیمیہ سے متعلق علمائے کرام کی علمی خدمات

شیخ الاسلام حافظ تقی الدین احمد بن تیمیہ جامع کمالات تھے۔ وہ بیک وقت ایک تبحر عالم' محدث' مفسر' فقیہ' مورخ اور نقاد تھے۔ وہ تمام علوم اسلامیہ میں ایک یگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ علمائے کرام نے آپ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور آپ کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے حالات و مناقب اور

علمی خدمات پر جو کتابیں عربی' فارسی اور اردو میں لکھی گئی ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے حافظ ابن عبد الہادی (م ۷۴۴ھ) نے "العقود الدریہ" کے نام سے کتاب لکھی جس میں امام ابن تیمیہ کے حالات اور ان کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اپنی درج ذیل تصانیف میں امام ابن تیمیہ کے حالات اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ کیا ہے : الدر الیتیمیہ فی سیرۃ التیمیہ' تاریخ الاسلام' معجم شیوخ کبیر' معجم اوسط' معجم صغیر' معجم مختص بہ محدثین' سیر اعلام النبلاء' تذکرۃ الحفاظ۔

امام ابن تیمیہ کے حالات اور ان کے علمی کارناموں پر جو مفصل کتابیں لکھی گئیں ان کے نام یہ ہیں :

امام ابو حفص عمر بن علی البزار بغدادی (م ۷۴۹ھ) کی الاعلام العلیہ فی مناقب الامام ابن تیمیہ' علامہ یوسف بن محمد (م ۷۷۶ھ) کی الحمیتہ الاسلامیہ فی الانتصار لمذہب ابن تیمیہ' شیخ مرعی بن یوسف (م ۱۰۳۳) کی الکواکب الدریہ فی مناقب الامام المجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہ' علامہ محمد بن احمد بخاری نابلسی حنفی (م ۱۲۰۰ھ) کی القول الجلی فی ترجمہ تقی الدین ابن تیمیہ الحنبلی' حافظ ابن القیم الجوزی (م ۷۵۱ھ) کی مناقب الامام ابن تیمیہ' علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ناصر الدین (م ۸۴۲ھ) کی الرّد الوافر علٰی من زعم ان من سمّی ابن تیمیۃ شیخ الاسلام کافر' علامہ نعمان خیر الدین آلوسی (م ۱۳۱۷ھ) کی جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین۔

تاریخ و تراجم کی جن کتابوں میں امام ابن تیمیہ کے حالات مبسوط یا مختصر ملتے ہیں' ان کے نام یہ ہیں :

طبقات الحفاظ' حافظ ابن عبد الہادی (م ۷۴۴ھ)۔ تتمہ المختصر' علامہ ابن الوردی (م ۷۴۹ھ)۔ البدایہ والنہایہ' علامہ ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ)۔ طبقات الحنابلہ' علامہ محمد بن مفلح (م ۸۰۳ھ)۔ ذیل طبقات الحنابلہ' ابن رجب بغدادی (م ۷۹۵ھ)۔

الدرر الکامنہ ' حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) ۔ مختصر طبقات الحنابلہ ' علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ' شذرات الذہب من اخبار الذہب ' علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ) ۔ الدرر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع ' علامہ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) ۔

برصغیر پاک و ہند میں امام ابن تیمیہ کے حالات و واقعات اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل پر جن حضرات نے روشنی ڈالی ' ان میں سب سے پہلے حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا نام آتا ہے ۔ آپ نے اپنی کتاب جلاء العینین میں امام صاحب کا تذکرہ کیا ہے ۔ ان کے بعد محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) نے اپنی متعدد تصانیف میں امام ابن تیمیہ کے حالات اور ان کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کی تفصیل لکھی ہے ۔

برصغیر میں اردو زبان میں امام ابن تیمیہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ' ان کی تفصیل یہ ہے :

سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) نے الندوہ لکھنؤ ' ج ۵ ش نمبر ۶ (۱۹۰۸ء) میں علامہ ابن تیمیہ حرانی کے نام سے مقالہ لکھا ' جو بعد میں "مقالات شبلی" جلد پنجم میں ص ۶۲ تا ۶۷ درج ہے ۔ علامہ شبلی کے بعد امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد (م ۱۳۷۸ھ) نے تذکرہ میں امام ابن تیمیہ کے حالات اور ان کی دعوت و عزیمت پر روشنی ڈالی ہے ۔ (تذکرہ ' مطبوعہ انار کلی کتاب گھر لاہور ' ص ۱۵۸ تا ۲۶۳)

اردو میں امام ابن تیمیہ پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ' ان کی فہرست درج ذیل ہے :

سیرت امام ابن تیمیہ ' مولانا غلام رسول مہر (م ۱۳۹۵ھ)

امام ابن تیمیہ ' ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ' مولانا ابو الحسن علی ندوی (تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم)

امام ابن تیمیہ ' ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری

امام ابن تیمیہ ' ڈاکٹر محمد یوسف کوکن عمری (م ۱۹۹۰ء)

عقلیات ابن تیمیہ ' مولانا محمد حنیف ندوی (م ۱۴۰۸ھ)

صاحب سیف و قلم، حسین حسنی

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ

حیات شیخ الاسلام عربی زبان میں پروفیسر محمد ابو زہرہ مصری کی تصنیف ہے۔ آپ نے امام ابن تیمیہ کے علاوہ درج ذیل ائمہ کرام کے حالات بھی قلم بند کیے ہیں : امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)' امام مالک (م ۱۷۹ھ)' امام شافعی (م ۲۰۴ھ)' امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)' امام جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) اور امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ)۔ پروفیسر ابو زہرہ ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لائے تھے اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے منعقدہ ایک علمی مذاکرہ میں شرکت کی تھی۔ ۱۳۸۰ھ میں آپ کا قاہرہ میں انتقال ہوا۔

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اردو ترجمہ مشہور اہلحدیث عالم اور محقق مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سابق مدیر الاعتصام لاہور (م ۱۴۰۸ھ) نے مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی (م ۱۹۶۸ء) سے کرایا۔ اس پر مولانا غلام رسول مہر (م ۱۳۹۵ھ) نے ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا اور مولانا عطاء اللہ مرحوم نے تعلیقات اور حواشی لکھ کر اپنے اشاعتی ادارہ المکتبہ السلفیہ لاہور سے شائع کیا۔

مولانا عطاء اللہ مرحوم نے اس کتاب میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں' یعنی امام ابن تیمیہ کے ۱۰ تلامذہ کے مختصر حالات بھی لکھے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ء)' حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ء)' حافظ ذہبی (م ۷۴۸ء)' محمد بن مفلح (م ۷۶۲ء)' علامہ ابن الوردی (م ۷۴۹)' ابو حفص بزار (م ۷۴۹ء) اور ابو العباس ابن فضل اللہ (م ۷۴۹ء)۔ ایک باب حلقہ بگوشان افکار ابن تیمیہ اور ایک باب امام محمد بن عبد الوہاب کی دعوت تجدید و اصلاح اور اس کے بعد ضمیمہ کے عنوان سے ابن بطوطہ سیاح کی غلط فہمی اور اس کی تحقیق پر تبصرہ کیا ہے۔ تصانیف کا باب مولانا عطاء اللہ مرحوم نے خود ترتیب دیا ہے اور فن کے لحاظ سے چھوٹی بڑی ۵۹۱ کتابوں کے نام لکھے ہیں اور جو کتابیں مطبوع ہیں حاشیہ میں ان کی نشاندہی کی ہے اور سن اشاعت اور مطبع کا نام بھی لکھا ہے۔ آخر کتاب میں مراجع و مصادر کے نام سے ان کتابوں کی فہرست معہ نام مصنف درج کی ہے جن سے اس کتاب کی حواشی

وتعلیقات میں استفادہ کیا ہے۔

برصغیر میں امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی تصانیف کی نشرو اشاعت

برصغیر پاک و ہند میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی تصانیف کی نشرو اشاعت علمائے غزنوی (امرتسر) یعنی حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) اور آپ کے صاحبزادگان عالی مقام یعنی مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ) مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۲ھ)، مولانا عبدالرحیم غزنوی (م ۱۲۴۲ھ) اور مولانا عبدالواحد غزنوی (م ۱۳۴۹ھ) کی سعی و کوشش سے امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی بعض کتابیں طبع ہوئیں۔ علمائے غزنوی کے بعد خاندان قصوری، اور علمائے کرام میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی (م ۱۳۵۷ھ)، شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (۱۴۰۸ھ) نے افکار ابن تیمیہ کی نشرو اشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔

مراجع و مصادر

۱۔ البدایہ والنہایہ، حافظ ابوالفداء عمادالدین اسمٰعیل بن عمر بن کثیر دمشقی الشافعی (م ۷۷۴ھ)
۲۔ الردالوافر علیٰ من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر، علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ ناصرالدین (م ۸۴۲ھ)
۳۔ الکواکب الدریہ فی مناقب الامام المجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ مرعی بن یوسف (م ۱۰۳۳ھ)
۴۔ امام ابن تیمیہ، افضل العلماء ڈاکٹر محمد یوسف کوکن عمری (م ۱۹۹۰ء)
۵۔ امام ابن تیمیہ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم
۶۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۲)، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۷۔ مقالات شبلی، علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ)
۸۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ" پروفیسر محمد ابو زہرہ پروفیسر قانون، فوادیونیورسٹی قاہرہ (مصر) (م ۱۳۸۰ھ) ترجمہ وتنقیح وتعلیقات وحواشی۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۴۰۸ھ)

سُورۃ البقرۃ

آیت ۸۷

ملاحظہ : کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ 'الاعراب' الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱' الاعراب کیلئے ۲' الرسم کیلئے ۳' اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھٰکذا۔

۲:۵۳ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

۲:۵۳:۱ اللغۃ

[وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ] اس جملے کے تمام کلمات پہلے زیر بحث آ چکے ہیں بلکہ پورا جملہ

"اٰتینا موسی الکتب" اس سے پہلے البقرۃ:۵۲ [۲:۳۳:۱] میں گزر چکا ہے البتہ وہاں اس سے پہلے "وَاِذْ" (اور جب، تھا جب کہ یہاں شروع میں "وَلَقَدْ" (اور بے شک/البتہ/تحقیق) ہے۔ یہاں ہم ان کلمات کا ترجمہ اور ساتھ تشریح کے لیے گزشتہ حوالہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) "وَ" (اور) متعدد دفعہ گزرا ہے پہلی دفعہ اس پر بات الفاتحہ:۵ [۱:۴:۱(۳)] میں ہوئی تھی۔ نیز دیکھیے البقرہ:۸ [۲:۷:۱(۱)] بھی۔

(۲) "لَقَدْ" جو دراصل لام تاکید (لَ) اور حرفِ تحقیق (قَدْ) کا مجموعہ ہے۔ اس کے لام تاکید کی وضاحت البقرہ:۶۴ [۲:۴۱:۱(۶)] میں اور "قَدْ" کے استعمال اور معنی کی وضاحت البقرہ:۶۰ [۲:۳۸:۱(۸)] میں دیکھئے۔

(۳) "اٰتَیْنَا" جس کا مادہ "ا ت ی" اور وزن "اَفْعَلْنَا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد پر ۲:۱۷:۱(۴) میں بات ہوئی تھی اور اس سے باب افعال کے فعل آتی یُؤتِی اِیتَاءً (دینا) [جس سے یہ "آتینا" فعل ماضی صیغہ متکلم ہے یعنی "ہم نے دیا"] پر مفصل بات البقرہ:۴۳ [۲:۲۹:۱(۵)] میں کلمہ "آتُوا" کے ضمن میں ہوئی تھی۔

(۴) "موسیٰ" جو ایک جلیل القدر پیغمبر کا نام ہے چاہیں تو اس کی لغوی تشریح اور اس کی اصل کے بارے میں البقرہ:۵۱ [۲:۳۳:۱(۲)] دیکھ لیجئے۔

(۵) "الکتب" (جو "ک ت ب" مادہ سے بروزن "فِعَال" ہے) کی پوری لغوی تشریح پہلی دفعہ البقرہ:۲ [۲:۱:۱(۲)] میں ہوئی تھی۔

● اس طرح زیرِ مطالعہ جملہ "ولقد آتینا موسی الکتاب" (اس کے کلمات کے رسم و ضبط پر آگے بات ہوگی۔ یہاں فرق سمجھانے کے لیے اسے عام املائی رسم و ضبط کے ساتھ لکھا گیا ہے) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور بے شک ہم نے دی موسیٰ کو کتاب"۔ جس کے "لَقَدْ" کا ترجمہ بعض نے حرف تاکید (البتہ) سے کیا ہے اور بعض نے اردو محاورے کی خاطر اس کا ترجمہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح "آتینا" کا ترجمہ احتراماً "ہم نے عطا کی/عنایت کی/فرمائی" کی صورت میں کیا گیا ہے اور بعض نے لفظ "کتاب" کے ساتھ (توریت) کا تفسیری اضافہ کر دیا ہے۔

۲:۵۳:۱(۱) [وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ] اس عبارت میں نئے (پہلی دفعہ آنے والے) لفظ "قَفَّینا" اور "الرسل" ہیں۔

[نوٹ : آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ شروع میں ہم ہر ایک لفظ (حرف ہو یا اسم یا فعل) کی الگ الگ (ایک ایک کی) تشریح (لغوی) کرتے تھے ۔ اگرچہ اس میں بھی مرکبات (مثلاً جاری یا اضافی) کو اکٹھا ہی بیان کرنا پڑتا تھا۔ پھر جب کلمات کی تکرار ہونے لگی یعنی دوبارہ وہی لفظ یا اس مادہ سے ماخوذ لفظ آنے لگے تو ہم ان کے ساتھ اضافی حوالہ کے ارقام (نمبر) نہیں دیتے کیونکہ اس طرح حوالے کے ارقام بہت زیادہ ہو سکتے تھے ۔ مزید برآں چونکہ ایک مقرر عبادت (مکمل جملہ) کے بعد اس کا مجموعی ترجمہ بلکہ اس کے مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جاتا ہے اس کے لیے کئی ارقام پر مشتمل عبارت کو اکٹھا ہی زیر بحث لانا پڑتا ہے ۔ اس بنا پر اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ کی بجائے (کم از کم نحوی ترکیب کے لحاظ سے) ایک مستقل جملہ کو ہی زیر بحث لایا جائے ۔ مثلاً زیر مطالعہ عبارت میں ابتدا میں اختیار کردہ طریقے کے مطابق "قفینا" کی لغوی تشریح الگ اور "الرسل" کی الگ ہونی چاہیے اور اب بھی تشریح تو الگ الگ ہی ہوگی مگر مجموعی طور پر ایک جملہ ہونے کے لحاظ سے اسے عنوان یا حوالہ کا نمبر ایک ہی دیا گیا ہے ۔ آئندہ جہاں "قفینا" (یا اس کے مادہ سے ماخوذ کوئی اور لفظ) آئے گا یا "الرسل" (یا اس کے مادہ سے کوئی اور لفظ) آئے گا تو دونوں کے لیے ہم یہی حوالہ [۲:۵۳:۱(۱)] لکھ دیا کریں گے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ آگے چل کر ہم بحث "الاعراب" میں بھی ان جملوں کو اسی تجزیہ کے ساتھ (حصے بنا بنا کر) بیان کریں گے ۔ لہٰذا امید ہے کہ پڑھنے والے کو ایک ہی جملہ کے کلمات کی لغوی تشریح اور پھر اس کی نحوی ترکیب کے بالمقابل مطالعہ میں آسانی ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔]

اب ہم پہلے تو اس زیر مطالعہ عبارت کے کلمات کی الگ الگ وضاحت کریں گے اور آخر میں اس کے مجموعی ترجمہ یا تراجم کو زیر بحث لایا جائے گا۔

① "وَ" (عاطفہ بمعنی "اور") ہے جس سے اس عبارت کے فعل "قفینا" کو سابقہ جملے کے فعل "آتینا" پر عطف کیا گیا ہے (یعنی ہم نے دونوں کام کیے)

② "قَفَّيْنَا" کا مادہ "ق ف و" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے ۔ اس طرح بظاہر اسے "قَفَّوْنَا" ہونا چاہیے ۔ مگر عربوں کا قاعدۂ نطق (جسے ہم علم الصرف کا قاعدہ بھی کہہ سکتے ہیں) یہ ہے کہ تمام واوی اللام (ناقص واوی) افعال کو مزید فیہ افعال میں ان کی "و" کو "ی" میں بدل کر بولتے ہیں ۔ اس (قفینا) کی بھی یہی صورت ہے جیسا کہ ہم ابھی وضاحت کریں گے ۔

● اس مادہ سے فعل مجرد "قفا ... یَقفُوا قَفوًا" (نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں "... کی گدّی (گردن کے پچھلے حصّے) کو نشانہ بنانا" (عربی میں گدّی کو "قَفا" (مثل "عصا") کہتے ہیں اور واوی اللام ہونے کی وجہ سے اس کا تثنیہ "قفوَان" آتا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ "قفا" نہیں آیا)۔ پھر اس سے اس فعل میں "کسی کے پیچھے پیچھے چلنا، پیچھے لگنا یا لگ جانا" کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ "قفَوتُ الشیئَ و قفَوتُ فلانًا و قفَوتُ أثرَہ" (میں اس چیز یا فلاں آدمی یا اس کے نقشِ پا (کھروں) کے پیچھے چلا / لگ گیا) شعر کا "قافیہ" اسی فعل سے اسم الفاعلہ ہے یعنی پیچھے آنے والا "کلمۃ"۔ اس فعل مجرد سے قرآن کریم میں صرف ایک صیغہ فعل (نہی) ایک ہی جگہ (الإسراء: ۳۶) آیا ہے۔

● زیر مطالعہ لفظ "قَفَّینا" اس مادہ (قفو) سے باب تفعیل کا فعل ماضی معروف صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس باب سے فعل "قَفّٰی ... یُقفّی تقفِیَۃً" کے معنی ہیں "... کو پیچھے پیچھے لانا۔ لگانا"۔ اس کا مفعول بنفسہٖ بھی آتا ہے اور "باء (بِ)" کے صلہ کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہتے ہیں: "قَفّٰی فلانًا و بفلانٍ" "وہ فلاں کو پیچھے پیچھے لایا"۔ (یہ فعل بعض اور معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "قفّی الشعرَ" یعنی اس نے شعر کا قافیہ بنایا" اور "قفّٰی علی الشیئ" یعنی "وہ اس چیز کو لے گیا" وغیرہ۔ تاہم ان معنی کے لیے یہ فعل قرآن میں نہیں آیا) قرآن کریم میں اس فعل سے صرف یہی صیغہ فعل (قفَّینا) چار جگہ وارد ہوا ہے اور ہر جگہ "باء (ب)" کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ "پیچھے پیچھے لانا / لگانا" والے معنی کے لیے ہی آیا ہے۔ البتہ چونکہ ہر جگہ کسی "پیغمبر یا پیغمبروں" کو پیچھے لانے کا ذکر ہے اس لیے اکثر مترجمین نے "لائے" یا "لے آئے" کی بجائے "بھیجے" سے ترجمہ کیا ہے جو اردو محاورے کے لحاظ سے درست ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ "اَرسلنا" کا ترجمہ لگتا ہے مگر مفہوم وہی ہے۔ پھر چونکہ "قفّی یُقفّی" میں بنیادی معنی کسی کے نقشِ پا پر پیچھے پیچھے بھیجنے کا ہے اور یہاں زیر مطالعہ آیت میں (جیسا کہ آگے آرہا ہے) "رسولوں" کو بصیغہ جمع "لانے" یا بھیجنے کا ذکر ہے اس لیے محض "بھیجے" کی بجائے "پے در پے / یکے بعد دیگرے" سے ترجمہ زیادہ موزوں ہے۔ اور بعض نے یہی مفہوم "بھیجے" کی بجائے "بھیجتے رہے" سے ظاہر کیا ہے۔ ایک مترجم نے شاید اردو محاورے کے جوش میں "تار باندھ دیا" (پیغمبروں کا) کی صورت میں ترجمہ کیا ہے جو کچھ اچھا ترجمہ نہیں کیونکہ ہر رسول کے فوراً ہی بعد تو اگلا رسول نہیں آتا رہا۔

(۴) "من بعدہ" جو "مِن + بعد + ہ" کا مرکب ہے، یہ لفظ کئی بار گزر چکے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اس کے بعد سے لے کر..." گویا اس میں "الی فلان وقتٍ" (... فلاں وقت تک) محذوف

ہے۔اس لیے اس کا سادہ یا محاورہ ترجمہ "اس کے بعد" ہو سکتا ہے۔ لفظ "بعد" (دیکھیے ۲:۳۴:۱(۱)) اُردو میں مستعمل ہے، تاہم "اس کے پیچھے" بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۴) "بِالرُّسُل" جو "بِ+ال+رسل" ہے یعنی باء الجر کے بعد معرف باللام "الرسل" ہے۔ اس میں ابتدائی "باء" (بِ) تو فعل "قفّینا" کا صلہ ہے جو اس کے مفعول پر آیا ہے اور جس کے استعمال پر ابھی اوپر "قَفَّیْنا" کی لغوی تشریح میں بات ہوئی ہے۔ غیر قرآن (عام عربی) میں اگر یہ "الرسل" ہوتا تو بھی درست تھا۔ اور "الرُّسُل" کا مادہ "ر س ل" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فُعُلٌ" ہے (جو عبارت میں مجرور بالجر آیا ہے)۔ اس مادہ سے فعل مجرد "رَسِلَ یَرسَل رَسَلاً" (سمع) کے بنیادی معنی "آہستگی اور سہولت سے اٹھنا" (المفردات) ہیں (یعنی جس میں جلدی اور پیچیدگی نہ ہو) مثلاً کہتے ہیں "رَسِلَ الشَّعرُ" یعنی "بالوں کا لمبا اور لچکدار (اُلجھے ہوئے نہ) ہونا" اور "رَسِلَ البعیرُ" یعنی اونٹ کا خراماں خراماں (دھیمی رفتار سے) چلنا"۔ اسی سے عربی محاورہ ہے "علٰی رِسْلِکَ" یعنی "ذرا سنبھل کر! نرمی سے کام لو!" قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل مجرد کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن مجید میں اس سے فعل تو صرف بابِ افعال کے ہی مختلف صیغے بکثرت (۱۳۰ جگہ) آئے ہیں۔ اور مختلف ماخوذ اور مشتق کلمات (مثلاً "رسول، رسالۃ، رُسُل، مُرْسَل" وغیرہ) چار سو کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ ان سب پر حسبِ موقع بات ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● لفظ "رُسُلٌ" جمع مکسر ہے، اس کا واحد "رَسُوْلٌ" ہے، جس کے بنیادی معنی ہیں "وہ آدمی جس کو کوئی پیغام (بلکہ خاص پیغام) دے کر کسی کے پاس بھیجا جائے"۔ اردو میں اس کا ترجمہ (فارسی اور ترکی الفاظ) "فرستادہ، پیغامبر، ایلچی" کے ساتھ کر لیا جاتا ہے۔ تاہم لفظ "رسول" بھی اسلام کی (اور قرآن و حدیث کی) ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے "اللہ کی طرف سے پیغام لانے والا"۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ انسانوں اور فرشتوں (دونوں) کے لیے استعمال ہوا ہے۔ "رسول فرشتے" اللہ تعالیٰ کی طرف سے "انبیاء و رُسُل" کی طرف پیغام رسانی پر مامور ہیں یا کسی خاص حکم کی تعمیل کے لیے بھیجے جاتے ہیں، جیسے "موت کے فرشتے" اور "عذاب کے فرشتے" اور انسانوں میں "رسول" وہ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغام آتا ہو جو وہ آگے دوسرے انسانوں تک پہنچانے پر مامور ہوتے ہیں۔ "رسول" میں بنیادی مفہوم "پیغام بری" کا ہوتا ہے جب کہ "نبی" میں بنیادی مفہوم "نہایت اہم خبریں دینے" کا ہوتا ہے۔ "نبی" اور "رسول" تمام اسلامی زبانوں میں بطور اصطلاح متعارف ہیں۔

● لفظ "رَسُول" (بصیغۂ واحد معرفہ نکرہ مفرد مرکب صورتوں میں قرآن کریم کے اندر ۹۶ جگہ آیا ہے اور اس کی جمع مکسر "رُسُل" (جو اس وقت زیر مطالعہ ہے) تو اسی طرح (یعنی معرفہ نکرہ اور مفرد مرکب صورتوں میں) تین سو مقامات پر وارد ہوا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ (رَسول اور رُسُل) اپنے اصل لغوی معنی میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور اپنے اصطلاحی معنی کے ساتھ بھی۔ کسی جگہ ان کے معنیٔ مراد کا تعین بڑی سمجھداری کا کام ہے۔ جس میں عبارت کے سیاق و سباق اور مہارتِ زبان کے علاوہ عقیدہ اور نیت کی درستی کو بڑا دخل ہے۔ بلکہ معروف اصطلاح ہونے کے باعث اردو میں اس کا ترجمہ ہی "رسول" اور "رسولوں" سے کر لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ "پیغمبر" (جو فارسی لفظ ہے اور پیغام بر ہی کی دوسری شکل ہے) بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں اپنے لغوی معنی میں آیا ہے وہاں اس کا ترجمہ "قاصد" ہی کر لیا جاتا ہے۔

● زیر مطالعہ عبارت میں "الرسل" (رسولوں) اصطلاحی معنی میں آیا ہے۔ یوں اس پوری عبارت " وقفّینا من بعدہ بالرسل" کا لفظی ترجمہ بنا: "اور ہم پیچھے پیچھے لائے اس کے بعد پیغمبروں کو۔" پرانی اردو میں ترجمہ "ہم پچھاڑی لائے" بھی کیا گیا ہے، جس کی زیادہ بامحاورہ شکل یہ ہے: "ہم نے اس کے بعد پے در پے پیغمبر بھیجے / ہم یکے بعد دیگرے اس کے بعد پیغمبر بھیجتے رہے۔" چونکہ عبارت میں "من بعدہ" کی ضمیر مجرور حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے جن کا اوپر آیت کی ابتدا میں ذکر آیا ہے اس لیے احتراماً اس (من بعدہ) کا ترجمہ "ان کے بعد" بھی کیا گیا ہے جس میں "ان" جمع کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے، جیسے "آتینا" اور "قفّینا" میں ضمیر الفاعلین جمع کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے۔ "من بعدہ" پر مزید بات الاعراب میں ہو گی۔

۲:۵۳:۱ (۲) [وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ] عبارت میں کل چھ کلمات ہیں جن میں دو تو اسم علم ہیں، باقی کلمات بلحاظ "مادہ" تو پہلے گزر چکے ہیں۔ البتہ اسی مذکور مادہ سے ماخوذ یا مشتق لفظ نیا آیا ہے۔ ذیل میں ہر ایک کلمہ کا ترجمہ (مع مادہ، وزن اور گزشتہ حوالہ) لکھا جاتا ہے۔

① "وَ" یہاں عاطفہ بمعنی "اور" ہے۔ دیکھئے ۱:۴:۱(۳) اور ۲:۷:۱(۱)

② "آتینا" (اس میں ابتدائی ہمزہ کا ضبط (آ) عام املائی ضبط ہے، قرآنی ضبط آگے بیان ہوگا) کا مادہ "ا ت ی" اور وزن "اَفْعَلْنَا" ہے جو باب افعال کے فعل "آتی یُؤتی ایتاءً = (دینا)" سے فعل ماضی کا صیغہ جمع متکلم ہے۔ بابِ افعال کے اس فعل کے معنی اور طریقِ استعمال کے لیے دیکھئے البقرہ:۴۳ [۲:۲۹:۱(۵)]

③ "عیسی" عجمی یعنی غیر عربی لفظ ہے۔ جس کی اصل سریانی زبان کا لفظ "الیشوع" ہے۔ یہ ایک مشہور جلیل القدر پیغمبر کا اسم علم ہے۔ اس کو "ع ی س" مادہ سے ماخوذ سمجھ کر اس کے مفہوم (سرخ و سفید ہونا) کو چپکانے کی کوشش کرنا (جیسا کہ بعض نے کیا ہے) تکلفِ محض ہے۔

④ "ابن" (جس کا ہمزۃ الوصل یہاں تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے) کا مادہ "ب ن ی" اور وزن اصلی "فَعَلٌ" ہے، یعنی اس کی اصلی شکل "بَنَیٌ" (یا بقول بعض "بَنَوٌ") ہے۔ دیکھئے القاموس)۔ اس مادہ سے فعل مجرد اور لفظ "ابن" میں ہونے والی تعلیل وغیرہ کے لیے دیکھئے البقرۃ: ۴۰ [۲:۲۸:۱(۱)] کے "بَنِی" میں۔

⑤ "مَرْیَم" یہ بھی عجمی یعنی غیر عربی لفظ ہے اس لیے ممنوع الصرف (غیر منصرف) ہے۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کا نام (علم) ہے۔ اس کا کسی عربی مادے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بھی سریانی لفظ ہے اور اس کے معنی "بلند مرتبہ والی" ہے (دیکھئے "المنجد")

⑥ "اَلْبَیِّنَات" (یہ اس کا رسم املائی ہے، رسم عثمانی پر آگے بات ہوگی)۔ جمع مؤنث سالم کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد "اَلْبَیِّنَةُ" ہے جس کا مادہ "ب ی ن" اور وزن اصلی (لام تعریف نکال کر) "فَیْعِلَةٌ" جس طرح اسی کے مذکر وزن (فَیْعِل) پر "ص و ب" سے "صَیِّب" بنا تھا (دیکھئے البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱(۲)] میں) اسی طرح اس مادہ سے لفظ "بَیِّن" (بمعنی واضح۔ صاف ظاہر) بنتا ہے۔ پھر اس سے لفظ "بَیِّنَةٌ" بنتا ہے جس میں آخری "ۃ" تانیث سے زیادہ مبالغہ کے لیے ہے (اگرچہ اس کی وجہ سے لفظ مؤنث قیاسی بھی ہے) یعنی بہت زیادہ واضح اور صاف ظاہر چیز۔ یوں "البینات" کا ترجمہ "ظاہر معجزے، صریح معجزے، واضح دلائل، کھلے کھلے معجزے، کھلی نشانیاں، کھلے نشانات اور روشن نشانات" کی صورت میں کیا گیا ہے۔

● غور کیجئے تو ان تراجم میں "معجزے، دلائل، اور نشانات" تو اصل پر اضافہ ہے۔ بینۃ یا "بینات" کا ترجمہ تو "ظاہر، صریح، کھلے اور روشن" ہی بنتا ہے۔ اس اضافے کی ضرورت یوں پڑی کہ بنیادی طور پر "بَیِّنَةٌ" (یا اس کی جمع "بیّنات") تو اسم صفت ہے جس کے ساتھ موصوف محذوف ہے، اس لیے اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ اس محذوف موصوف کے ساتھ کیا ہے۔ بعض صفات (خصوصاً جب وہ معرف باللام بھی ہوں) اتنی واضح ہوتی ہیں کہ ان کے موصوف کو ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی، جیسے "عملوا الصالحات" میں دراصل "الاعمال الصالحات" ہی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح "البَیِّنَة" یا "البینات" کا موصوف "آیات، معجزے، دلائل اور نشان" ہی بن سکتے ہیں۔ اس مادہ

(بین) سے فعل مجرد وغیرہ پر لغوی بحث البقرہ:۶۸ [۲:۴۳:۱(۶)] میں کلمہ "یُبَیِّن" کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

● اس طرح اس پوری عبارت " وآتینا عیسی ابن مریم البینات" کا لفظی ترجمہ بنا " اور ہم نے دیئے عیسیٰ مریمؑ کے بیٹے کو واضح (دلائل)" اسی کی بامحاورہ صورتیں "عیسیٰ ابن مریم کو دیئے/ عطا کیے/ بخشے/ عطا فرمائے" ہیں اور آخری لفظ (البینات) کے تراجم مع وجہ ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں۔

۲:۵۳:۱(۳) [وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ] اس عبارت میں بھی کل چھ ہی کلمات (اسم' فعل' حرف) ہیں۔ یعنی یہ وَ + اَیَّدْنَا + ہ + بِ + روح + القدس" کا مجموعہ ہے۔ اس میں نئے لفظ صرف "اَیَّدْنَا" اور "رُوْح" ہیں۔ "القدس" کے مادہ سے پہلے بحث ہو چکی ہے۔ "ہ" تو ضمیر منصوب بمعنی "اس کو" ہے اور "وَ" حرف عطف اور "باء" (بِ) حرف الجر ہے اور ان کے استعمال پر بھی پہلے کئی جگہ بات ہوئی ہے۔ بہرحال ذیل میں اس عبارت کے ایک ایک کلمہ پر بات کی جاتی ہے:

① "وَ" عاطفہ بمعنی اور ہے۔ مزید بحث کے لیے دیکھئے [۱:۴:۱(۳)] اور [۲:۷:۱(۱)]

② "اَیَّدْنَاہُ" (اس میں آخری "ہ" ضمیر منصوب بمعنی "اس کو" ہے اور لفظ "اَیَّدْنَا" یہاں سمجھانے کے لیے برسم املائی لکھا گیا ہے (رسم عثمانی پر "الرسم" میں بات ہو گی) "اَیَّدْنَا" کا مادہ "ا ی د" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "آدَ یَئِیْدُ اَیْدًا" (مثل بَاعَ یَبِیْعُ بَیْعًا) باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "قوی اور مضبوط ہونا" اور اس کا مصدر "اَیْدٌ" مضبوطی اور قوت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے (یعنی بطور اسم) اس فعل مجرد سے کوئی صیغہ فعل قرآن کریم میں نہیں آیا' البتہ لفظ "اَیْد" ایک دو جگہ آیا ہے۔

● "اَیَّدْنَا" اس مادہ (ا ی د) سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ متکلم ہے جس میں ضمیر تعظیم (نحن) اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس باب سے فعل "اَیَّدَ ... یُؤَیِّدُ تَاْیِیْدًا" کے معنی ہیں "... کو قوت دینا' ... کی مدد کرنا' ... کی تائید کرنا" (یعنی اس کا مصدر "تَاْیِیْد" جو مہموز کے قاعدہ تخفیف کے مطابق پہلے تو "تَاْ" سے "تَا" (جوازاً) بنتا ہے پھر "تا" کے الف مقصورہ کے باعث "یید" کی پہلی "یاء (ی) ہمزہ میں بدل جاتی ہے۔ اس طرح عربی زبان کا یہ مصدر بصورت "تائید" اپنے اصلی عربی معنی کے ساتھ اردو میں مستعمل اور متعارف ہے)۔ اس فعل متعدی کا مفعول تو بنفسہ آتا ہے۔ کہتے ہیں "اَیَّدَہٗ" (اس نے اس کو قوت دی) البتہ جس چیز یا شخص کے ذریعے مدد دی جائے اس پر "باء" (ب) کا صلہ آتا ہے۔ اس باب (تفعیل) کے اس فعل سے مختلف صیغے قرآن کریم میں کل نو جگہ آئے ہیں۔ اور ہر جگہ "ذریعہ قوت"

امداد" کا بیان بار البحر کے ساتھ آیا ہے' البتہ صرف ایک جگہ (الصف : ۱۴) یہ محذوف ہے۔" ایَّدْنَا" کا ترجمہ ہوا" ہم نے قوت دی / مدد کی / تائید کی اس کی"

(۳) "بِرُوْحِ الْقُدُسِ" کی ابتدائی "باء" (بِ) تو وہی ہے جس کا اوپر فعل "اَیَّدْنَا" کے ضمن میں ذکر ہوا ہے' جس کا ترجمہ . . . . کے ساتھ' . . . . کے ذریعے" یا صرف "سے" ہے۔ لفظ "رُوْح" کا مادہ "روح" اور وزن "فُعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے اور مختلف معانی دیتا ہے۔ مثلاً "راح یَرُوح رَوَاحًا" (نصر سے) کا مطلب ہے" بعد دوپہر یا شام کے وقت چلنا" کہتے ہیں: "راحتِ الابل' یعنی" اونٹ شام کے بعد اپنے رات کے ٹھکانے (آرام گاہ) کی طرف چل پڑے" عربی میں شام کو "الرَّواح اور العشی" کہتے ہیں۔ گویا یہ فعل غدا یغدُو غُدُوًّا (صبح کو چلنا) کی ضد ہے اور "راح یَرُوح رَوْحًا" کے معنی ہیں' (دن کا) ٹھنڈا اور "ہوادار" ہونا۔ اور راح . . . . یراح راحۃً (سمع سے) کا مطلب ہے" . . . . کی (اچھی یا بُری) بُو پانا" تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کسی طرح کا کوئی صیغۂ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا' بلکہ بطور فعل تو اس کے بابِ افعال سے ایک ہی صیغۂ فعل ایک ہی جگہ (النحل : ۶) آیا ہے۔ البتہ مختلف ماخوذ و مشتق اسماء اور مصادر (رواح' رَوْح' رُوْح' رِیْح' ریاح' رَیْحان وغیرہ) متعدد جگہ (بچاس سے زائد مرتبہ) آتے ہیں' جن پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ

● "الرُّوح" ان (ماخوذ) کلمات میں سے ایک ہے۔ اس کا ایک عام معروف معنی (جو اردو میں بھی متعارف ہے)" جان" ہے (لسان العرب میں اس کے معنی بتاتے ہوئے کہا گیا ہے اسے فارسی میں" جان" کہتے ہیں)' تاہم عربی زبان اور خصوصاً قرآن و حدیث کے استعمال میں یہ لفظ' وحی' قرآن' حکم' فرشتہ (جبریل)' کے لیے بھی آیا ہے۔ عبارت کا سیاق و سباق اس کے معنیٔ مراد متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (رُوح) مختلف (معرفہ' نکرہ' مفرد' مرکب) شکلوں میں ۲۱ جگہ آیا ہے' جن میں سے تین جگہ یہ اسی (زیر مطالعہ) ترکیب" روح القدس" کی شکل میں آیا ہے۔" القُدُس" کا مادہ "ق د س" اور وزن" ال" کے بغیر" فُعُلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد وغیرہ کی وضاحت البقرہ : ۳۰ [۲:۲۱:۱(۵)] میں کلمہ" نُقَدِّس" کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ زیر مطالعہ لفظ" القُدُس" (جو بصورت القُدْس بھی استعمال ہوتا ہے)' کے بنیادی معنی ہیں" الطُّھر" یعنی پاکیزگی اور یہ بطور مصدر (پاک ہونا) بھی استعمال ہوتا ہے۔ فلسطین کے شہر بیت المقدس کو (جسے یہودی یروشلم کہتے ہیں)" القدس الشریف" یا صرف" القدس" بھی کہتے ہیں۔ اصل بنیادی معنی کے لحاظ سے" رُوح القدس" کا مطلب ہے" پاکیزگی کی

روح' جس کا ترجمہ مرکب توصیفی کے معنی میں "پاک روح" بھی کیا گیا ہے۔ بیشتر حضرات نے اس کا ترجمہ کرنے کی بجائے "روح القدس" ہی رہنے دیا ہے اور چونکہ روح القدس سے مراد "جبریل" علیہ السلام ہیں اس لیے بعض جگہ تراجم میں بطور تفسیر قوسین میں اس لفظ (جبریل) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

● یوں اس زیر مطالعہ جملہ (وایدناہ بروح القدس) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے: "اور قوت دی ہم نے اس کو پاکیزگی کی روح کے ساتھ" یعنی "ہم نے اس کو مدد دی/اس کی تائید کی پاک روح/روح القدس (جبریل) سے/کے ذریعے سے"۔

۵۱:۱(۴) [اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ] اس عبارت میں کل ۱۲ کلمات ہیں جن میں تین حروف (أ، فَ، اور بِ) دو ضمیریں (کُمْ منصوب اور مجرور) چار اسماء (کلما، ما، رسول اور انفس) اور تین صیغۂ فعل (جاء، لا تھوی اور استکبرتم) آئے ہیں۔ ان میں سے نیا لفظ صرف (لَا تَهْوٰى) ہے۔ باقی تمام کلمات براہ راست (اسی طرح) یا بالواسطہ (کسی دوسری صورت میں) پہلے گزر چکے ہیں۔ تفصیل یوں ہے:

① "اَفَكُلَّمَا" اس کے شروع میں "أ" استفہامیہ (بمعنی کیا؟ آیا؟) ہے (دیکھئے البقرہ:۶ [۲:۵:۱(۳)] فاء (فَ) عاطفہ (بمعنی پھر، پس) ہے (دیکھئے البقرہ:۲۲ [۲:۱۶:۱(۱۰)]۔ "کُلَّمَا" جو "کُلَّ" + "ما" ہے مگر ایک ہی اسم شرط کی طرح استعمال ہوتا ہے (یعنی جب کبھی بھی)، اس کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرہ:۲۰ [۲:۱۵:۱(۳)]۔ اس کا مجموعی اردو ترجمہ "کیا پس جب/پھر بھلا جب/پھر بھلا کیا جب/تو کیا جب/کیا پھر ہر بار جب/تو کیا جب کبھی" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔

② "جاءکم" جس کے آخر میں ضمیر منصوب "کُمْ" (بمعنی "تم کو/تمہارے پاس") ہے، اس میں "جاء" کا مادہ "ج ی أ" اور وزن اصلی "فَعَلَ" ہے۔ اس سے فعل مجرد (جاء یجیئ = آنا) کے معنی و استعمال پر البقرہ: ۷ [۲:۴۴:۱(۱۴)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ "جاءکم" = "وہ آیا تمہارے پاس"۔

③ "رَسُوْل" کا مادہ "ر س ل" اور وزن "فَعُوْل" ہے۔ یہ لفظ "مُرْسَل" بھیجا ہوا، فرستادہ، پیغمبر، ایلچی اور قاصد" کے معنی میں اردو میں بھی متداول ہے۔ اس مادہ کے فعل مجرد اور خود اسی لفظ (رسول) کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر ابھی اوپر [۲: ۵:۱(۱)] میں لفظ "الرسل" کے ضمن میں مفصل بات ہوئی ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں "رسول" اپنے اصطلاحی معنی میں آیا ہے اس لیے اس کا اردو میں کسی اور لفظ کے ساتھ ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۴) "بِمَا" جو دراصل بِ + مَا ہے۔ اس کی ابتدائی باء الجر (بِ) تو وہ صلہ ہے جو فعل "جاءَ" (آنا) میں لانا لے آنا کے متعدی معنی پیدا کرنے کے لیے اس کے مفعول پر لایا جاتا ہے۔ "جاءَہٗ" (= وہ اس کے پاس آیا) میں بھی "ہ" ضمیر منصوب مفعول ہے اور "جاء بِہٖ" (= وہ اس کو لایا۔ لے آیا) میں ضمیر منصوب باء (ب) کے صلہ کے ساتھ آتی ہے (لہٰذا وہ صرف محلاً منصوب رہ گئی ہے) اس استعمال کی وضاحت [۴:۴۴:۱(۱۴)] میں "جِئْتَ بِالْحَقِّ" کے ضمن میں دیکھیے۔ "بِمَا" کا دوسرا لفظ "مَا" اسم موصول بمعنی "جو کچھ کہ / جو چیز بھی کہ / کوئی ایسی چیز جو کہ" آیا ہے۔ "مَا" کے معانی وغیرہ البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۵)] کے علاوہ البقرہ: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۲)] اور البقرہ: ۷۰ [۲:۴۷:۱(۵)] میں دیکھیے۔

(۵) [لَا تَهْوٰى] کا ابتدائی "لَا" نافیہ (بمعنی "نہیں") ہے جو عموماً کسی فعل مضارع کو منفی بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

"تَهْوٰى" کا مادہ "ہ و ی" اور وزن اصلی "تَفْعَلُ" ہے۔ یہ "تَهْوَیُ" تھا۔ پھر یائے متحرکہ (ضمومہ) ماقبل مفتوح (و) کی وجہ سے الف میں بدل کر بولی جاتی ہے اگرچہ یہ الف مقصورہ بصورت یاء (ی) ہی لکھا جاتا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معنی دیتے ہیں، مثلاً

(الف) هَوٰى يَهْوِى هُوِيًّا و هَوِيًّا (ضرب سے) کے معنی ہیں "کسی چیز (پرندے وغیرہ) کا تیزرفتاری کے ساتھ اوپر سے نیچے آنا یا گرنا"۔ کہتے ہیں "هَوَتِ الْعُقَابُ عَلَى الصَّيْدِ" (عقاب تیزی کے ساتھ شکار پر جھپٹا / گرا۔ عربی میں "عُقاب" مؤنث سماعی ہے اس لیے مثال میں فعل مؤنث آیا ہے)۔ اور اسی فعل کے معنی "هُوَّة" یا "هُوِيًّا" کے مصدر کے ساتھ "بلند ہونا" اور "چڑھنا" بھی ہوتے ہیں مثلاً "هَوَى الرَّجُلُ هُوَّةً / هُوِيًّا" کا مطلب ہے "آدمی اوپر چڑھ گیا"۔ ان دوسرے معنی کے لیے "القاموس" میں مصدر "هُوِيًّا" دیا گیا ہے جب کہ "المعجم الوسیط" میں "هُوَّة" لکھا گیا ہے۔ اور اسی (هَوَى يَهْوِى هُوِيًّا) کے معنی "ہلاک ہونا" بھی ہیں۔ کہتے ہیں "هَوَى الرَّجُلُ" (آدمی تباہ یا ہلاک ہو گیا)۔ ان کے علاوہ یہ فعل بعض دیگر معانی مثلاً "چلے جانا"، "تیز رفتاری دکھانا"، "ہوا کا زور سے چلنا" اور "کسی عورت کا بچہ مر جانا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس باب سے اسم الفاعل "هَاوٍ" برائے مذکر اور "هَاوِيَة" برائے مؤنث آتا ہے۔

(ب) هَوِىَ ... يَهْوٰى هَوًى (سمع سے) کا مطلب ہے "... کو پسند کرنا، ... کی خواہش کرنا"۔ کہتے ہیں "هَوِىَ فُلَانٌ فُلَانًا" یعنی "فلاں نے فلاں سے محبت کی / اس کو پسند کیا"۔ اس فعل سے اسم الفاعل نہیں آتا بلکہ اس معنی میں اسم صفت مذکر کے لیے "هَوٍ" اور مؤنث کے لیے "هَوِيَة" آتی ہے

● قرآن کریم میں ان دونوں ابواب سے مختلف صیغہ ہائے فعل سات جگہ آتے ہیں اور زیادہ تر نیچے جانا، تیزی سے گرنا، ہلاک ہونا اور چاہنا کے معنی میں استعمال ہوئے۔ اسی مادہ سے مزید فیہ کے باب افعال اور استفعال کا بھی ایک ایک صیغہ فعل آیا ہے۔ ان کے علاوہ اس مادہ سے مشتق اور ماخوذ اسماء اور مصادر وغیرہ (مثلاً ھَوٰی، اھواء، ھواءٌ، ھاویۃ وغیرہ) کم و بیش تیس جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر حسب موقع بات ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ عبارت میں "لا تھوٰی" باب سمع والے فعل سے فعل مضارع منفی "بلا" صیغہ واحد مؤنث غائب ہے کیونکہ آگے اس کا فاعل "انفسکم" جمع مکسر ہے۔ اس باب سے اس فعل کے ایک ہی معنی ہیں "چاہنا۔ پسند کرنا۔ بھانا۔ خواہش کرنا"۔ یوں "لا تھوٰی" کا ترجمہ تو حال یا مستقبل میں ہی ہونا چاہیے "نہیں چاہتے، نہ بھائے" مگر قصہ ماضی کے بیان کی وجہ سے بیشتر حضرات نے اس کا ترجمہ زمانہ ماضی کے ساتھ "نہ چاہا، نہ بھایا۔ پسند نہ کیا" کی صورت میں کیا ہے۔

(۶) "اَنْفُسُکُمْ" آخری ضمیر مجرور "کُمْ" بمعنی "تمہاری / تمہارے" ہے اور ابتدائی لفظ "اَنْفُس" کا مادہ "ن ف س" اور وزن "اَفْعُلُ" ہے۔ یہ "نَفْس" (جان، جی، شخص، من، دل) کی جمع مکسر ہے۔ اس کی مکمل لغوی تشریح کے لیے دیکھئے البقرہ: ۹ [۲:۸:۱(۴)] میں "انفسھم"۔

● یہ مرکب اضافی (انفسکم) اوپر والے فعل (لا تھوٰی) کا فاعل ہے، اس لیے اس عبارت (لا تھوی انفسکم) کا ترجمہ تو ہونا چاہیے: "نہ چاہے تمہاری جان" مگر مختلف اردو افعال کے ساتھ اور محاورے کی وجہ سے اس کے تراجم "نہیں چاہتے تمہارے جی / نہ بھایا تمہارے جی کو / تمہارے نفس کی خواہش نہیں / تمہارے نفس کو نہ بھائے" اور "تمہارے نفس کی خواہشوں کے خلاف" کی صورت میں کیے گئے ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا ترجمہ اصل نص (عبارت) سے کتنا قریب ہے اور کتنا ہٹ کر ہے۔

(۷) "اِسْتَکْبَرْتُمْ" (پڑھنے میں گزشتہ لفظ "انفسکم" کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے کے لیے "انفسکم" کی آخری ساکن میم کو حرکت ضمہ (ـُـ) ماقبل کے "ک" مضموم کی مناسبت سے دی جاتی ہے اور "استکبرتم" کا ابتدائی ہمزۃ الوصل تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے)۔ اس صیغہ فعل کا مادہ "ک ب ر" اور وزن "اِسْتَفْعَلْتُمْ" ہے یعنی یہ باب استفعال سے فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد اور خود اس فعل (استکبر یستکبر = تکبر کرنا) کی لغوی تشریح البقرہ: ۳۴ [۲:۲۵:۱(۵)] میں گزر چکی ہے۔

● مفردات کی اس وضاحت کی روشنی میں اس پوری عبارت (افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کیا پس جب بھی آیا تمہارے پاس کوئی پیغمبر ساتھ اس کے

کہ نہیں چاہتے جی تمہارے تو تکبر کیا تم نے" تاہم "جاءب" کا مطلب "لایا" ہونے کی وجہ سے اور "بِمَا" کے "مَا" میں "جو کہ" سے مراد "جو باتیں، جو حکم، ایسے احکام جو" لینے سے نیز محاورہ کے مطابق کرنے کے لیے اس کے تراجم کئی صورتوں میں کیے گئے ہیں، مثلاً "پھر بھلا جب تم پاس لایا کوئی رسول جو نہ چاہا تمہارے جی نے تو تم تکبر کرنے لگے"۔ اس کو مزید بامحاورہ کرتے ہوئے "پھر بھلا کیا جب تمہارے پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے" بنا یا گیا۔ اسی طرح "کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تو تکبر کرتے ہو" بھی ایک عمدہ بامحاورہ صورت ہے۔ تاہم "کلما" کا ترجمہ "جب کبھی / جب بھی" کے ساتھ کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح "بما" (اس کے ساتھ جو / وہ جو) کے ترجمہ میں وضاحتی لفظ "باتیں / احکام / حکم" وغیرہ کے اضافے بھی بعض نے کیے ہیں اور بعض نے نہیں کیے یعنی وہ لفظ سے قریب تر رہے ہیں۔

۲:۵۳:۱ (۵) [فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ] اس عبارت کے تمام کلمات پہلے گزر چکے ہیں مثلاً "فریقًا" کے ساتھ آنے والی "فَ" (فاء) اور "وَ" (بمعنی پس، پھر، اور) کا تو شاید اب گزشتہ حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہیں۔

① "فریقًا" (جو آیت میں دو دفعہ آیا ہے) کے مادہ (ف ر ق) سے فعل مجرد کے علاوہ خود اسی لفظ (فریق) کی لغوی ساخت اور مادہ اور وزن وغیرہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرہ:۵۰ [۲:۳۲:۱(۱۰)] اور البقرہ:۷۵ [۲:۴۷:۱(۲)]۔ یہاں "ففریقًا" کا ترجمہ بنتا ہے "پس ایک گروہ کو تو"۔ اس کی مزید وضاحت "الاعراب" میں آئے گی۔

② "کَذَّبْتُمْ" کا مادہ "ک ذ ب" اور وزن "فَعَّلْتُمْ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد پر البقرہ:۱۰ [۲:۸:۱(۱۱)] میں اور باب تفعیل کے فعل (کَذَّبَ یُکَذِّبُ = جھٹلانا) پر (جس سے یہ "کَذَّبْتُمْ" فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے) البقرہ:۳۹ [۲:۲۷:۱(۱۴)] میں بات ہو چکی ہے۔ ترجمہ ہے "تم نے جھٹلایا"۔

③ "تَقْتُلُونَ" کے مادہ، وزن اور فعل مجرد کے استعمال وغیرہ پر البقرہ:۵۴ [۲:۳۴:۱(۴)] میں کلمہ "فاقتلوا" کے ضمن میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ "تقتلون" کا ترجمہ ہے "تم قتل کر دیتے ہو / مار ڈالتے ہو"۔ پوری عبارت کا ترجمہ ہو گا "پس ایک گروہ / جماعت / بعضوں کو تو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو قتل ہی کرنے لگے"۔

۲:۵۳:۲ الإعراب

زیر مطالعہ آیت کو ترکیب نحوی کے لحاظ سے چھ جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جو "وَ" اور "فَ" (واو عاطفہ اور فاء عاطفہ) کے ذریعے باہم ملا دیئے گئے ہیں اور یوں بلحاظ ربط مضمون ایک ہی طویل جملہ بنتا ہے۔

① ولقد آتینا موسی الکتاب،

[وَ] یہاں مستانفہ ہے اور [لَقَدْ] لام تاکید (جو عموماً جوابِ قسم پر آتا ہے) اور حرفِ تحقیق (قدْ) پر مشتمل ہے۔ یہ سب مل کر اگلے فعل کے معنی میں زور اور تاکید پیدا کرتے ہیں [آتَیْنَا] فعل ماضی صیغہ متکلم مع ضمیر التعظیم (نحن) ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے [موسی] اس فعل کا مفعول اول ہے۔ اسم مقصور ہونے کے باعث اس میں علامتِ نصب ظاہر نہیں ہے [الکتاب] فعل "آتینا" کا مفعول ثانی لہٰذا منصوب ہے، علامتِ نصب آخری "ب" کی فتحہ (ـَ) ہے، جو دراصل تنوین نصب (ـً) تھی مگر لام تعریف کے لگنے سے ایک فتحہ (ـَ) رہ گئی ہے۔

② وقفّینا من بعدہ بالرسل:

[وَ] عاطفہ ہے جس سے فعل "قفّینا" کا عطف سابقہ صیغہ فعل "آتینا" پر ہے [قَفَّيْنَا] فعل ماضی صیغہ متکلم ہے، اس میں بھی ضمیر تعظیم (نحن) شامل ہے۔ [من بعدہ] "من" حرف الجر، "بعد" ظرف مضاف اور "ہ" ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اور یہ سارا مرکب جاری متعلق فعل یا ظرف کا کام دے رہا ہے۔ اگر یہاں "من" نہ ہوتا تو باقی ظرف "بعدَہٗ" (بفتح الدال) ہوتا اور مطلب بھی وہی رہتا یعنی "اس کے بعد" [بالرسل] اس کی "باء" تو فعل "قفّینا" کا صلہ ہے جو اس کے مفعول "الرسل" پر لگا ہے۔ اگر یہ "ب" نہ ہوتا تو بلحاظِ اعراب "الرسلَ" بھی درست ہوتا۔ اب یہاں مرکب جاری "بالرسل" کو مفعول کا کام دینے کے باعث محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔ اس جملے کی سادہ نثر کی ترتیب یوں تھی "وقفّینا بالرسل من بعدہ"۔ "من بعدہ" کے پہلے لانے سے اس میں ایک زور پیدا ہوا ہے اور اس کا ترجمہ "اس کے بعد بھی" ہونا چاہیے۔ تاہم بیشتر مترجمین نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔

③ وآتینا عیسی ابنَ مریم البینات:

[وَ] عاطفہ ہے اور [آتینا] فعل ماضی صیغہ متکلم مع ضمیر تعظیم (نحن) ہے۔ [عیسی] اس فعل کا مفعول اول ہے جس میں اسم مقصور ہونے کے باعث علامت نصب ظاہر نہیں ہے [ابنَ] یہ "عیسی" کا بدل بھی ہو سکتا ہے اور صفت بھی۔ اسی لیے اس میں علامتِ نصب آخری "نون" کی فتحہ (ـَ) ہے جو دراصل تنوین نصب سے بوجہ اضافت (ابن" مضاف خفیف بھی ہے) خفیف ہو گئی ہے [مریم] مضاف الیہ (ابن کا) ہے۔ علامت جر آخری "م" کی فتحہ (ـَ) ہے کیونکہ مریم ایک عجمی علم ہونے کے باعث غیر منصرف ہے۔ اس میں "ابن مریم" پورا مرکب اضافی "عیسی" کا بدل یا صفت بنتا ہے (البینات) فعل "آتینا" کا مفعول ثانی ہے اس لیے منصوب ہے۔

④ وَاَیَّدْ ناہ بروح القدس

[وَ] یہاں بھی برائے عطف ہے ۔ [اید ناہ] میں "ایدنا" تو فعل ماضی صیغہ متکلم مع ضمیر التعظیم (نحن) ہے اور آخر میں ضمیر منصوب (ہ) اس فعل کا مفعول ہے ۔ [بروح القدس] میں ابتدائی "بِ" حرف الجر ہے اور "روح" مجرور بالجر اور آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بھی ہے ۔ علامتِ جر اس میں "ح" کی کسرہ (ـِ) ہے جو دراصل تنوینِ الجر (ـٍ) تھی مگر مضاف ہونے کے باعث ایک کسرہ (ـِ) رہ گئی ۔ "القدس" مضاف الیہ (روح کا) لہٰذا مجرور بالاضافہ ہے، علامتِ جر اس میں "س" کی کسرہ (ـِ) ہے ۔ یوں "بروح القدس" پورا مرکب جاری متعلق فعل "ایّدنا" بنتا ہے یعنی اس میں فعل "ایدنا" کی کیفیت (کیسے قوت دی) بیان ہوئی ہے ۔

⑤ افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم :

[اَ] استفہامیہ اور [فَ] عاطفہ ہے ۔ جب استفہام اور عطف مل کر آئیں تو قاعدہ یہ ہے کہ ہمزۂ استفہام (أ) کے ساتھ حرفِ عطف (ف) بعد میں آتا ہے جیسے یہاں ہے اور اگر حرف استفہام (ھل) ہو تو حرف عطف پہلے آتا ہے یعنی پھر بصورت "فَهَلْ" استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں دونوں طرح آیا ہے ۔ [کلّما] میں "کُلّ" اسم برائے استغراق یا عموم ہے یعنی یہ سب چیزوں یا کسی چیز کے تمام اجزاء کو شامل کرنے کے لیے آتا ہے اور یہ ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور اس کا مضاف الیہ "ما" مصدریہ یا ظرفیہ ہو تو اس میں تکرار (بار بار ہونے) کا مفہوم پیدا ہوتا ہے ۔ اسی لیے یہاں "کلّما" کا ترجمہ "ہر بار جب کہ" یا "جب کبھی بھی" ہوگا ۔ اور یہاں "کُلَّ" کی نصب (جس کی علامت لام کی فتحہ (ـَ) ہے) کی وجہ ظرف ہوتا ہے یعنی ظرف کی طرف مضاف ہونے سے یہ خود ظرف منصوب بن گیا ہے ۔ [جاء] فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے جو ویسے تو فعل لازم ہے مگر اس کے ساتھ ظرف "عندَ" لگنے کی بجائے براہِ راست مفعول منصوب آتا ہے یعنی "جاء عندَہ" (وہ اس کے پاس آیا) کہنا بالکل غلط ہے اس کی بجائے "جاءَہ" کہتے ہیں [کُمْ] یہاں وہی ضمیر منصوب مفعول بہ ہے بمعنی "تمہارے پاس" [رَسُولٌ] فعل "جاء" کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے، علامتِ رفع "ل" پر تنوینِ رفع (ـٌ) ہے ۔ [بِمَا] "بِ" حرف الجر ہے جو یہاں فعل "جاء" کے ساتھ (اس کے مفعول پر) بطور صلہ آیا ہے اور "مَا" موصولہ مجرور ہے ۔ یہاں "بما" اکٹھا مفعول بن رہا ہے اس لیے اسے محلاً منصوب کہیں گے اور دراصل تو اسم موصول (مَا) کا صلہ (جو بصورت جملہ آگے آرہا ہے) اس کے ساتھ مل کر ہی "جاء بِ..." کا مفعول بنے گا ۔ [لَا تَھْوٰی] فعل مضارع منفی واحد مؤنث غائب ہے [اَنْفُسُکُمْ] مرکب اضافی (انفس + کم) مل کر فعل "لا تھوی" کا فاعل ہے اس

لیے "انفسکم" کا "انفس" مرفوع ہے علامت رفع "س" کا ضمہ ہے جو انفس کے مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین رفع سے مخفف ہوگیا ہے۔ [استکبرتم] فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ یہ یہاں جواب شرط (کلّما کے لیے) ہے اس لیے اردو ترجمہ اس کا "تو" سے شروع ہوگا۔ کلّما کے جواب شرط میں کوئی کلمہ رابط (لام یا فا وغیرہ) نہیں آتے۔

(۶) ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون:

[ففریقاً] کی "فاء" (ف) عاطفہ (بمعنی پس/پھر) ہے اور فریقاً اگلے فعل (کذبتم) کا مفعول مقدم (جو پہلے لایا گیا) لہٰذا منصوب ہے، علامت نصب آخر پر تنوین نصب (ـً) ہے [کذّبتم] فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور [و فریقاً] میں بھی "وَ" عاطفہ اور "فریقاً" مفعول منصوب مقدم (بر فعل خود) ہے یعنی [تقتلون] جو فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ یہ عبارت عام نثری ترتیب کے مطابق "فکذبتم فریقاً و تقتلون فریقاً" ہوتی، مگر فاصلہ کی رعایت سے دونوں جگہ مفعول (فریقاً) کو فعل سے پہلے (مقدّم) لایا گیا ہے جس سے عبارت میں ادبی حسن کے علاوہ فریقاً کے معنی میں بھی ایک خصوصیت پیدا ہوئی ہے یعنی "ایک فریق کو تو/بعضوں کو تو" اور "دوسرے فریق کو بھی/اور بعض دوسروں کو بھی" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا فعل "قَتَلْتُمْ" (بمقابلہ "کذّبتم") ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہاں فاصلہ آیت کی رعایت سے "تقتلون" لایا گیا ہے۔ فواصل آیات کی یہ رعایت بھی نظم قرآن (قرآنی عبارت) کو شعر سے مماثلت اور یوں ادبی حسن پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

۲:۵۳:۳ الرسم

بلحاظ رسم اس (زیر مطالعہ) آیت میں پانچ کلمات توجہ طلب ہیں جنہیں ہم یہاں فرق سمجھانے کے لیے پہلے عام رسم املائی میں لکھتے ہیں: الکتاب، ابن، البینات، ایدناہ اور کلّما۔ تفصیل یوں ہے:

(۱) الکتاب، معرفہ ہو یا نکرہ، مفرد ہو یا مرکب، قرآن کریم میں سوائے چار خاص مقامات کے (جو اپنی جگہ بیان ہوں گے) یہ لفظ (کتاب) ہر جگہ بحذف الف بعد التاء یعنی بصورت "الکتب" یا "کتب" ہی لکھا جاتا ہے۔ نیز اس کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے البقرہ:۲ کے آخر پر [۲:۱:۳] میں۔

(۲) "ابن" یہ لفظ عام رسم املائی ہو یا قرآنی عثمانی رسم دونوں میں عموماً اسی طرح لکھا جاتا ہے اور اس کا ابتدائی ہمزۃ الوصل حسب ضرورت تلفظ سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اس کے متعلق یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ عام رسم املائی میں جب لفظ "ابن" دو اعلام (اشخاص کے ذاتی ناموں) کے درمیان آئے تو اس کا ہمزۃ الوصل کتابت سے بھی ساقط کر دیا جاتا ہے جیسے "محمد بن عبداللہ" میں ہے۔ مگر قرآن مجید کے

رسم (عثمانی) کے مطابق دو اعلام کے درمیان واقع ہونے پر بھی (جیسے یہاں عیسی ابن مریم میں ہے) اس کا ہمزۃ الوصل کتابت میں برقرار رکھا جاتا ہے[1]۔ (پڑھنے میں تو وہ رسم املائی میں بھی نہیں آتا اور رسم قرآنی میں بھی)۔

(۳) "البیّنات" قرآن کریم میں یہ لفظ معرفہ آئے یا نکرہ، ہر جگہ بحذف الالف بعد النون لکھا جاتا ہے، یعنی بصورت "بیّنٰت" بلکہ قرآن مجید کی کتابت میں یہ قاعدہ ہے کہ تمام ایسے جمع مؤنث سالم جن میں ایک الف آتا ہو وہ سب محذوف الالف لکھے جاتے ہیں[2]۔ اس کے چند مختلف فیہ مستثنیات ہیں جن پر حسب موقع بات ہوگی۔

(۴) "ایّدناہ: قرآن مجید میں اسے بحذف الالف بعد النون لکھنے پر اتفاق ہے یعنی اسے بصورت "ایّدنٰہُ" لکھا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں بھی علم الرسم کا یہ متفق علیہ قاعدہ ہے کہ فعل ماضی کے صیغہ جمع متکلم کے بعد جب کوئی ضمیر بطور مفعول آرہی ہو تو صیغہ ماضی کا آخری الف (یعنی آخری "نَا" کا الف) لکھنے میں حذف کردیا جاتا ہے البتہ پڑھا ضرور جاتا ہے اور اس کے لیے اسے بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ رسم املائی کے مطابق ایسے الف کا حذف غلطی ہے مگر رسم قرآنی عثمانی کے مطابق ایسے الف کا اثبات غلط ہے۔

(۵) "افکلّما" میں بلحاظ رسم "کلّما" اس لیے قابل ذکر ہے کہ یہ لفظ قرآن میں یہاں اور دوسرے بیشتر مقامات پر اسی طرح موصول (ملا کر) لکھا جاتا ہے۔ یہ بات اس لیے ضروری معلوم ہوئی کہ یہ لفظ (جو دراصل تو دو لفظ ہیں) بعض جگہ مفصول یا مقطوع (الگ الگ کر کے) لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "کل ما۔ ان پر حسب موقع بات ہوگی۔

۵:۴ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات کے ضبط میں تنوع کو درج ذیل مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے اتفاق سے یہاں اختلاف کی بہت کم صورتیں موجود ہیں۔

وَلَقَدْ، لَقَدْ / اٰتَیْنَا، ءَاتَیْنَا، ءَاتَیْنَا / مُوسَی، مُوسَیٰ /

---

[1] دیکھئے نثر المرجان ۱:۱۸۱-۱۸۲

[2] سمیر الطالبین ص ۳۵-۳۶

اَلْکِتٰبَ، اَلْکِتٰبَ، اَلْکِتٰبَ/ وَقَفَّیْنَا، قَفَّیْنَا، قَفَّیْنَا/ مِنْ
بَعْدِہٖ، مِنْ بَعْدِہٖ، مِنْ بَعْدِہٖ، مِنْ بَعْدِہٖ/ بِالرُّسُلِ،
بِالرُّسُلِ، بِالرُّسُلِ/ وَاٰتَیْنَا (مثل سابق) عِیْسَی، عِیْسَی،
عِیْسَی/ اِبْنَ، اِبْنَ، اِبْنَ/ مَرْیَمَ، مَرْیَمَ/ الْبَیِّنٰتِ،
الْبَیِّنٰتِ، الْبَیِّنٰتِ/ وَاَیَّدْنٰهُ، اَیَّدْنٰهُ، اَیَّدْنٰهُ/
بِرُوْحِ، بِرُوْحِ، بِرُوْحِ/ الْقُدُسِ، الْقُدُسِ، الْقُدُسِ/
اَفَکُلَّمَا، اَفَکُلَّمَا، اَفَکُلَّمَا، اَفَکُلَّمَا/ جَآءَکُمْ،
جَآءَکُمْ/ رَسُوْلٌ، رَسُوْلٌ، رَسُوْلٌ/ بِمَا، بِمَا، بِمَا،
بِمَا/ لَا تَهْوٰی، لَا تَهْوٰی، لَا تَهْوٰی/ اَنْفُسُکُمْ،
اَنْفُسُکُمْ، اَنْفُسُکُمْ/ اسْتَکْبَرْتُمْ، اسْتَکْبَرْتُمْ،
اسْتَکْبَرْتُمْ/ فَفَرِیْقًا، فَفَرِیْقًا، فَفَرِیْقًا/ کَذَّبْتُمْ،
کَذَّبْتُمْ/ وَفَرِیْقًا (مثل سابق) تَقْتُلُوْنَ، تَقْتُلُوْنَ،
تَقْتُلُوْنَ۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ذیل ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔